عرفان وتصوف میں علامہ ہونزائی کے منہج وتطبیقات کا ناقدانہ جائزہ

A Critical Survey of AllamaHunzai's Idea of Spirituality and Mysticism

پروفیسر ڈاکٹر رشاد احمد[i] ضیاء الحق[ii]

Abstract

The Idea of spirituality and mysticism is prevalent in the Islamic thought since centuries. Its theoretical construct was founded by Greeks that later inspired many a religions. The subcontinent religious thoughts also came in its fold like others. Hence Qadriah, Chishtiah, Naqshbandiah and Suharwardiah prevail in the area. This spiritual cleansing is not just present in Islam but it may be traced in other religions as well. Among the Muslim sects, Ismaili cult seems to be very much vibrant in this regard. Many a great spiritual leaders have remained in this cult. In the contemporary day, AllamaNasirud Din Hunzai contributed toward it significantly. He has written many key books regarding it. In this article a critical review of his idea of spirituality and Tasawuf is discussed.

اسلامی فکر میں عرفان وتصوف کی اصطلاح صدیوں سے استعمال ہوتی نظر آتی ہے۔ تصوف وعرفان دراصل بعض یونانی افکار کا مجموعہ ہے، جن سے دنیا کے مختلف مذاہب متاثر ہوئے، دیگر خطوں کے طرح ہندوستان میں بھی اسلامی فکر تصوف سے کافی حد تک متاثر ہوئی، چنانچہ برصغیر پاک وہند میں قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے ناموں سے اس کے کئی ایک سلسلے اب بھی موجود ہیں۔ علمِ تصوف وعرفان مسلمان معاشروں تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے مختلف مذاہب میں مختلف ناموں کے ساتھ نفس انسانی کی مادہ پرستی سے تطہیر اور عظیم روحانی مقامات کے حصول کی خاطر عرفان وتصوف سے ملتے جلتے تحریکیں وجود میں آئی ہیں، اسلامی فرقوں میں اہلِ تشیع کا اسماعیلی فرقہ تصوف سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والا فرقہ ہے، چنانچہ ہر دور میں اسماعیلی تحریک کے اندر بڑے بڑے صوفیاء پیدا ہوئے، دورِ حاضر میں علامہ نصیر الدین ہونزائی نے اسماعیلی عرفان پر مختلف کتابیں لکھ کر اس کی اہمیت کو مزید اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس مقالہ میں ہونزائی اسماعیلی عرفان وتصوف کے منہج وتطبیقات اور اس کے بنیادی خدوخال کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

علمِ عرفان کی لغوی واصطلاحی تعریف

عرفان کا لغوی معنی پہچاننے، اقرار کرنے، خوشبو لگانے، صبر کرنے، سمجھنے اور معرفت حاصل کرنے کے آتے ہیں اور اس کی جمع عرفاء آتی ہے۔[1]

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ تزکیۂ نفس کے لیے اہلِ تشیع کے ہاں اصطلاحی طور پر لفظِ عرفان استعمال ہوتا ہے جبکہ اہلِ سنت والجماعت اس کے لیے لفظ تصوف استعمال کرتے ہیں تاہم علامہ ہونزائی اس کے لیے روحانیت اور معرفت وغیرہ کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ عرفان کی اصطلاحی تعریف میں کہا گیا ہے کہ:

"المعرفة الحاصلة عن طريق المشاهدة القلبية لا بواسطة العقل ولا بفضل التجربة الحسية".[2]

---

i شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پشاور

ii لیکچرر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پشاور

(ترجمہ): عرفان قلبی مشاہدہ سے حاصل ہونی والی معرفت کا نام ہے جو عقل اور حسی تجربہ کے واسطہ سے نہ ہو۔

عرفان کی دوسری تعریف یہ کی گئی ہے:

" رؤية في الكون والوجود تستند في بنيتها المعرفية إلى المعرفة الوجدانية القلبية".[3]

(ترجمہ): عرفان کائنات اور وجود کا ایسا مطالعہ ہے جس کی معرفی بنیاد قلبی و وجدانی معرفت ہے۔

اکثر اہل علم کے نزدیک کلمہ تصوف کا اشتقاقی مادہ "صوف" ہے، تصوف باب تفعّل کے وزن پر ہے، جیسے کہا جاتا ہے تقمص یعنی اس نے قمیص پہنی، چونکہ اکثر صوفیاء "اون" کا مخصوص لباس زیب تن کرتے تھے، اس لئے وہ حضرات "صوفی" کہلانا شروع ہوئے، المعجم الوسیط میں لکھا گیا ہے:

"(التصوف) طَريقَة سلوكيةقوامهاالتقشفوالتحليبالفضائللتزكوالنَّفسوتسموالرّوح"[4].

(ترجمہ): تصوف ایک ایسا سالکانہ روش ہے کہ جس کی بنیاد نفس کشی کرنا اور فضائل کو اپنانا ہے تاکہ نفس کا تزکیہ ہو اور روح کو ترقی مل جائے۔

تاریخ اسلام میں لفظ "صوفی" کا استعمال پہلی صدی ہجری میں ہی ہو چکا تھا، چنانچہ امیر معاویہ رضي الله عنہ نے اپنے دورِ خلافت 41 ہجری میں اس کلمہ کو یوں استعمال کیا:

"قد كنت تشبهصوفيا لهكُتب منالفرائضاوآيات فرقان".[5]

(ترجمہ): حالانکہ تُو ایسے صوفی سے مشابہت رکھتا تھا، جو فرائض واحکامِ دین کی کتابوں کا مالک تھا۔

"سلمی (412ھ) "تصوف" سے متعلق لکھتے ہیں:

"أصلالتصوفملازمةالكتابوالسُّنة،وتركالأهواءوالبدع،وتعظيمحرماتالمشايخ،ورؤيةأعذارالخلق،وحسنصحبةال رفقاء،والقيامبخدمتهم،واستعمالالأخلاقالجميلة،والمداومةعلىالأوراد".[6]

(ترجمہ) اصل تصوف قرآن وسنت کا اتباع، خواہشات و بدعتوں سے اجتناب، مشائخ کے تقدس کی تعظیم، مخلوق کی غذر خواہی، رفقاء کے ساتھ اچھی صحبت اور ان کی خدمت، اچھے اخلاق کا اپنانا اور اوراد کی پابندی ہے۔

اصطلاحی لحاظ سے علم تصوف کی مختلف تعریفات کی گئیں ہیں، تاہم تصوف کی آج تک کوئی جامع مانع تعریف سامنے نہ آسکی اس لئے کہ یہ ایک وجدانی مسئلہ ہے، ہر کسی نے اپنے ذوق کے مطابق جیسے محسوس کیا، الفاظ کے پیرہن میں مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی اور تعبیر اختیار کی، ذوق و وجدان میں تنوع کا پایا جانا ایک فطری عمل ہے، اس حوالہ سے دوسری مشکل یہ سامنے آتی ہے کہ تصوف نے اپنے اندر زمانے کے اثرات کو جذب کرتا رہا اور ہر دور میں اس کے الگ الگ تعریفات سامنے آئیں۔

عرفان کے بارے ہونزائی کے خیالات کا جائزہ

علامہ ہونزائی کے ہاں دنیا میں انسان کا حقیقی مقصد تلاش معرفت ہی ہے لیکن اس کا حصول علامہ ہونزائی کے نزدیک آسان کام نہیں، چنانچہ آپ معرفت کو ایک انتہائی انمول اور نایاب منزل قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"روحِ انسانی تلاشِ معرفت کی غرض سے دنیا میں بھیجی گئی ہے، لیکن اس گنجِ گرانمایہ کے راستے میں عجیب وغریب طلسمات سامنے آتے رہتے ہیں، کیونکہ یہ خزانہ انتہائی انمول اور نایاب ہے، اسی لئے آزمائش کا سلسلہ بڑا طویل اور بے حد دشوار ہے۔"[7]

علامہ ہونزائی کے ہاں انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہی روح اور روحانیت کی پہچان ہے اور اس معرفتِ حق تک رسائی انسان کے لئے انتہائی ضروری ہے، لہذا وہ اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے دنیا میں آیا ہے، جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"روح اور روحانیت کی پہچان جو رب العزت کی معرفت کا ذریعہ ہے، ایک بے مثال اور لازوال مخفی خزانہ ہے، اس تک رسائی اور شناخت انسان کے لئے انتہائی ضروری ہے، لہذا وہ اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے دنیا میں آیا ہے ، چنانچہ اگر اس نے اپنی ذات کی معرفت میں خدا کی معرفت حاصل کرلی، تو وہ بے پایان اور غیر فانی مخفی خزانہ اس کو دیا جاتا ہے ورنہ نہیں، پس انسان کے اس دنیا میں آنے کا مقصدِ اعلی یہی ہے۔"[8]

نزولِ قرآن کا سب سے بڑا مقصد بھی علامہ ہونزائی کے ہاں معرفت ہی ہے، جیسا کہ ایک جگہ اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"اگرچہ نزولِ قرآن کے کثیر مقاصد ہیں، لیکن سب سے آخری اور سب سے اعلی مقصد معرفت ہی ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو اور اپنے رب کو پہچان لے جیسا کہ آیہ الست کے ارشاد سے یہ منشائے الہی ظاہر ہے کہ رب کریم اپنی ربوبیت کے بارے میں جن روحوں سے پوچھنا چاہتا ہے، ان کو پہلے درجۂ کمال پر نورِ معرفت کی روشنی میں لاتا ہے اور اس کے بعد سوال فرماتا ہے، ورنہ روحانی اور عقلی پرورش اور معرفت کے بغیر یہ سوال ممکن ہی نہیں۔"[9]

علامہ ہونزائی کے نزدیک توحید اور خدا شناسی یعنی عملی معرفت عقل وجان کی سب سے بڑی مؤثر دوا ہے اور سب سے اعلی صحت بھی، کیونکہ آپ کے نزدیک انسان کی تخلیق ہی اس مقصد کے لئے ہوئی ہے کہ وہ عرفان کی لازوال دولت سے ہمیشہ کے لئے مالامال ہو جائے، جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"توحید اور خدا شناسی یعنی عملی معرفت عقل وجان کی سب سے مؤثر دوا اور سب سے اعلی صحت کی ضمانت ہے، کیونکہ خالقِ اکبر نے انسان کو دین ودنیا کے تمام وسائل وذرائع کے ساتھ اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ان سے کام لے کر رب العزت کے عرفان کی لازوال دولت سے ہمیشہ کے لئے مالامال ہو جائے۔"[10]

ہونزائی عرفان اور روحانی منزلیں

علامہ ہونزائی معرفت کے دو شعبوں طریقت اور حقیقت کے ساتھ معرفت کا اضافہ کرتے ہیں، جو بتدریج مناجات ومجاہدات کے ذریعے سابقہ تین شعبوں سے گزر کر حاصل ہوتا ہے۔[11]

چنانچہ ایک مقام پر معرفت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"معرفت نہیں کہتے ہیں مگر اس پہچان کو جو دل کی آنکھ سے روحانی حقیقتوں کو دیکھ لینے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔"[12]

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"صراطِ مستقیم کی چھوٹی چھوٹی منزلیں زیادہ ہیں مگر بڑی اور معروف منزلیں چار ہیں:

1۔ شریعت

2۔ طریقت

3۔ حقیقت

4۔ معرفت

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ہونزائی کے ہاں اصل توحید تک رسائی کے لئے شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت، حقیقت اور معرفت بھی لازمی ہیں جیسا کہ اس پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اس خداوندی نظام و پروگرام کے مطابق یہ امر بھی ضروری تھا کہ مسجد اور خانقاہ کے بعد مقام معرفت پر جماعت خانے کا عمل شروع ہو جائے۔[13]"

علامہ ہونزائی کے ہاں معرفت صراطِ مستقیم کی آخری منزل ہے اور معرفت کا حصول ہی اصل مقصد ہے، چنانچہ "چہل حکمتِ کلید" میں لکھتے ہیں:

"مؤمن ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے دنیا میں آنے کا مقصد معرفت ہے تاکہ وہ آخری مقصد کے طور پر گنجِ مخفی کو حاصل کر سکے۔"[14]

علامہ ہونزائی کے ہاں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت اسلام کے چار بنیادی ستون ہیں اور یہ چار منزلیں شریعت کے چار مختلف درجات ہیں تاہم شریعت باقی تین درجوں کے لئے بنیاد ہے، اگر شریعت نہ ہوتی تو دین کا وجود ہی نہ ہوتا، جیسا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتِ مقدسہ تمام سابقہ شریعتوں کا خلاصہ و جوہر ہے، یہ پاک شریعت مناسب ترمیمات کے ساتھ زمانۂ نوح سے چلی آئی ہے، مسلمانانِ عالم کے لئے دین کا دروازہ شریعت ہی سے کھل گیا ہے۔"[15]

تاہم علامہ ہونزائی طریقت کو شریعت کے لئے باطن کا درجہ دیتے ہیں اور شرعی احکامات کی بھی طریقت کے تناظر میں تشریح کرتے ہیں، ایک مقام پر شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآنِ پاک میں طریقت کا ایک خاص نام منہاج ہے، جس کے معنی ہی کشادہ راستہ یعنی شریعت کا باطن، کیونکہ شریعت بہشت کا میوۂ شیرین ہے، طریقت اس کا مغز، حقیقت روغنِ مغز اور معرفت اس تیل سے پیدا ہونے والی روشنی ہے۔"[16]

اسی طرح اپنے عارفانہ اشعار میں بھی معرفتِ ذاتِ حق کو انسان کے لئے اصل مقصد قرار دیتے ہیں، چنانچہ "دیوانِ نصیری" میں کہتے ہیں:

ہماری زندگی کی غرض ہاں معرفت ہی ہے
مگر یہ آ نہیں سکتی سوائے علمِ روحانی

خودی کو اشکِ الفت میں ہمیشہ دھو لیا کرنا
اسی سے سن سکے گا دل صدائے علمِ روحانی[17]

گویا معرفت کے حصول کے لئے علامہ ہونزائی کے نزدیک شریعت، طریقت اور حقیقت کے منازل کو طے کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر معرفت کا حصول ممکن نہیں، اس کے علاوہ معرفت کی راہ میں مختلف قسم کی آزمائشوں اور ریاضتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

ہونزائی عرفان میں معرفت کے مختلف درجات ہیں، چنانچہ انسان ریاضتوں سے ان درجات کو بتدریج حاصل کرتا ہے اور بالآخر اسے کامل معرفت حاصل ہو جاتی ہے، جیسا کہ اپنی معروف کتاب "علمی خزانہ" میں تحریر کرتے ہیں:

> "یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس طرح ایمان وایقان اور خدا کی نزدیکی و عندیت کے مختلف درجات مقرر ہیں، اسی طرح خداشناسی و معرفت اور توحید کے بھی جدا جدا مراحل اور الگ الگ درجات ہوتے ہیں، کیونکہ دینِ حق ہی صراطِ مستقیم یعنی سیدھی راہ ہے اور جو لوگ اس راہِ دین کے مسافر ہیں، ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ یکایک خدا کے حضور پہنچ سکیں بلکہ وہ منزل بمنزل اور درجہ بدرجہ ہوتے ہوتے خدا تعالی کے انتہائی حضور تک پہنچ سکتے ہیں۔"[18]

ہونزائی عرفان میں معرفت سالک کی آخری منزل اور روحانیت کی آخری سیڑھی ہے، چنانچہ معرفت میں شریعت، طریقت اور حقیقت سب کی اصل روح یکجا ہو جاتی ہے، اپنے اس نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "شریعت کا باطن طریقت ہے، طریقت کا باطن حقیقت ہے اور حقیقت کا باطن معرفت ہے، سو معرفت سب کچھ ہے، اس لئے کہ اس میں ہر چیز کی روح اور قیمت موجود ہے اور معرفت کا منبع خود انسان کی اپنی ذات ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی خزانۂ الٰہی ہے۔"[19]

ہونزائی عرفان اور روحانی ریاضتیں

علامہ ہونزائی معرفت کے منازل تک پہنچنے کے لئے نفسی کشی کو ایک لازمی شرط قرار دیتے ہیں، چنانچہ آپ کے نزدیک عارف یا سالک کئی دفعہ نفسانی یا روحانی موت سے دوچار ہوتا ہے، اس کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے "چہلِ کلید" میں لکھتے ہیں:

> "مؤمن صادق روحانی سفر کے دوران منزل عزرائیلی میں بار بار مرتا اور بار بار زندہ ہو جاتا ہے اور مقامِ عقل پر بھی اسی طرح فنا و بقا کا سلسلہ جاری رہتا ہے، کیونکہ جزوی حیات و ممات کی اس کثرت میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں، تاہم عارفِ کامل بحیثیتِ مجموعی مقامِ روح اور مرتبہ عقل پر دو دفعہ مر جاتا ہے اور دو دفعہ زندہ ہو جاتا ہے۔"[20]

کامل معرفت کے حصول کے لئے علامہ ہونزائی نفسانی موت کے ساتھ ساتھ روحانی موت کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں، چنانچہ نفسانی موت کے بعد انسان کو عین الیقین کا علم حاصل ہوتا ہے، پھر اس سے آگے جاکر انسان روحانی موت سے دوچار ہونے کے بعد زندگی میں ہی حظیرۃ القدس کی جنت میں داخل ہوتا ہے، جیسا کہ "عملی تصوف اور روحانی سائنس" میں اپنے اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "وجودِ انسانی جسم، روح اور عقل کا مجموعہ ہے، لہٰذا سالکینِ دینِ مبین کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ وہ اپنی جسمانی زندگی ہی میں عالی ہمتی اور خدا کی یاری سے دو دفعہ مر کر دو دفعہ پیدا ہو جائیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے وہ منزلِ عزرائیلی میں نفسانیت سے مر کر روحانیت میں زندہ ہو جائیں، پھر بہت آگے چل کر روحانیت سے بھی مر جائیں اور عقلانیت میں زندہ ہو جائیں، ایسے میں مؤمنین سالکین حظیرۃ القدس میں حقیقتِ واحدہ ہو کر اسرارِ ازل کا مشاہدہ کریں گے۔"[21]

ہونزائی فکر کے مطابق جب انسان مختلف قسم کی ریاضتوں اور عبادتوں سے اپنے نفس کو کچل دے تو وہ معرفت کی آخری منزل حاصل کرتا ہے، جہاں پر وہ ذات پاک کی انتہائی قربت والا مقام حاصل کرتا ہے، جسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں، جہاں پر انسان موجودات کی حکمتوں اور کائنات کے اسرار ورموز کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ مقام اہلِ معرفت کے لئے بہت ہی اطمینان کا مقام ہوتا ہے، جیسا کہ اپنی کتاب "حظیرۃ القدس" میں لکھتے ہیں:

"چونکہ عالمِ شخصی کی بہشت حظیرۃ القدس ہی ہے، لہذا یہ عارفوں کے لئے اعلی اطمینان کی جگہ ہے اور اس میں علم وحکمت اور اسرار معرفت کے چشمے جاری ہیں۔"[22]

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"بحوالہ حدیث جو شخص نفسانی یا جسمانی موت مر جائے تو اس کی قیامت برپا ہوجاتی ہے، اس حدیث شریف میں عارفانہ موت اور انفرادی قیامت کا ذکر ہے، جس میں باطنا اجتماعی قیامت کا منظر ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کلی قیامت کی معرفت سے عارف بے خبر رہتا، مگر یہ بات نہیں بلکہ عرفاء کو تمام اسرارِ قیامت سے آگاہ رکھا جاتا ہے۔ "[23]

آگے جا کر لکھتے ہیں:

"صوفیانہ موت، عاشقانہ موت اور عارفانہ موت جس میں روحانی قیامت اور معرفت ہے اور جس کا آخری نتیجہ حظیرۃ القدس یعنی جنت ہے جہاں جیتے جی بہشتِ جاویدانی کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے۔"[24]

علامہ ہونزائی کے ہاں اسرار معرفت کے حصول میں سالک کو مختلف رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تاہم علم الیقین کے ذریعے سالک معرفت کے اعلی مرتبے پر سرفراز ہوجاتا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"اسرارِ معرفت پر بہت سے حجابات ہیں، آپ علم الیقین کے ذریعے سے ایک ایک کرکے حجابات کو ہٹاتے جائیں تا آنکہ آپ کو کامل یقین ہو کہ آپ امام مبین کے نورانی بہشت حظیرۃ القدس میں ہیں۔"[25]

علامہ ہونزائی اپنے اشعار میں بھی خودشناسی پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان اگر خودشناس بن جائے تو اللہ کی معرفت حاصل ہونے میں دیر نہیں لگتی، کیونکہ انسان کا وجود ہی خدائی کتاب کی اصل ہے، جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

ای نسخۂ نامۂ الٰہی کہ توی
وی آئینۂ جمالِ شاہی کہ توی

بیرون زتو نیست ہر چہ در عالم ہست
در خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توی[26]

(ترجمہ): اے کتابِ الٰہی کا نسخہ! (یعنی خدائی کتاب کی اصل) کہ یہ تو خود ہی ہے اور اے حقیقی بادشاہ کے جلال وجمال کا آئینہ! کہ یہ تو خود ہی ہے، کائنات میں جو کچھ ہے وہ تجھ سے باہر نہیں پس تو جو کچھ چاہتا ہے وہ اپنے باطن (اپنی ذات) ہی میں طلب کرلے کیونکہ سب کچھ تو خود ہی ہے۔

ہونزائی عرفان میں ذکر و فکر کی اہمیت

معرفت حق کے حصول کے لئے ہونزائی عرفان میں ذکر و فکر کو ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے، علامہ ہونزائی اپنی تحریروں میں نہ صرف ذکر لسانی کو اہمیت دیتے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ ذکر قلبی پر بھی زور دیتے ہیں، ایک جگہ ذکر و فکر کا طریقہ کار ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"جس وقت مؤمن ذکر کے مخصوص طریقے پر عبادت میں مشغول ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے تمام افکار و خیالات کو ذکر پر مرکوز کرے اور اپنے دل کی آنکھ و کان کو مسلسل ذکر پر نگران و منتظر رکھے اور اپنی فہم و ادراک کو نقطۂ ذکر سے باہر ہرگز نہ جانے دے اور کسی قسم کی بھی شکل و صورت کو اپنے خانۂ دل میں نہ آنے دے، سلسلۂ ذکر کی کڑیوں کو آپس میں یوں ملائے کہ تیزی اور آہستگی کے درمیانی رفتار میں سلسلہ ذکر نہ تو چھوٹ جائے اور نہ ٹوٹ جائے۔"[27]

علامہ ہونزائی اپنے عارفانہ کلام میں بھی ذکر و فکر کی طرف دعوت دیتے نظر آتے ہیں، جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

کثرتِ ذکرِ خدا سے قلب کو پر نور کر
علم و حکمت کی ضیاء سے روح کو مسرور کر

عالمِ شخصی کو اپنا دن بدن آباد کر
نفس کے چنگل سے خود کو اے جری آزاد کر[28]

ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی کے علاوہ ہونزائی عرفان میں ذکر بصری، ذکر سمعی، ذکر خوابی، ذکر جلی اور ذکر کثیر کا بھی تذکرہ ملتا ہے چنانچہ اپنی کتاب "ذکرِ الٰہی" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مختلف اعتبارات سے ذکر کی کئی قسمیں ہیں، جن میں سے بعض اہم قسموں کو ہم یہاں بطورِ مثال لاتے ہیں، چنانچہ ذکرِ فرد، ذکرِ جماعت، ذکرِ جلی، ذکر خفی، ذکرِ کثیر، ذکرِ قلیل، ذکرِ لسانی، ذکرِ قلبی، ذکرِ بصری، ذکرِ سمعی، ذکرِ بدنی اور ذکر خواب، مذکورہ بالا اقسام کے ذکر کی واضح مثالیں اس آیۂ کریمہ میں ملتی ہیں جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:
فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا"[29]

(ترجمہ): پس تم اللہ تعالٰی کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے۔

ذکر کے درج بالا باقی اقسام تو واضح ہیں تاہم ذکرِ خواب اور ذکر بدنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ذکرِ بدنی ایسا ذکر جس کا تعلق بدن سے ہے، اس کی بھی چند قسمیں ہیں بہر صورت قوم اور جماعت کے حق میں جو فائدہ بخش دینی خدمت بجالائی جاتی ہے وہ جسم ہی کی قوتوں سے انجام پاتی ہے، جو ذکر کی ترقی کی جان ہے اور بعض دفعہ مومن ایسا خواب بھی دیکھتا ہے، جس میں عبادت کرتا ہے۔"[30]

گویا کسی بھی لحاظ سے دین کے لیے بدنی خدمت اور جد وجہد علامہ ہونزائی کے نزدیک ذکرِ بدنی میں داخل ہے اور مؤمن معرفت کے اعلی درجات پر پہنچ کر خواب میں عبادت کرنے لگتا ہے، اسی کو ذکرِ خواب سے تعبیر کیا ہے۔

اسی طرح ہونزائی عرفان میں ذکرِ عقلی کی بھی کافی اہمیت ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

"چیزیں تین طرح سے تسبیح کرتی ہیں:

1۔ زبانِ حال سے

2۔ زبانِ قال سے

3۔ اشارہ عقل سے [31]

ان اقتباسات سے یہ ظاہر ہوا کہ علامہ ہونزائی کے نزدیک ذکر کا مفہوم بہت ہی وسعت رکھتا ہے اور اس کے ایک زیادہ اقسام ہیں اور ہر نوع کی اپنی ایک خصوصیت ہے۔

معرفت اور علامہ ہونزائی کا فلسفۂ خود شناسی

علامہ ہونزائی کے ہاں خود شناسی ہی اصل معرفت ہے اور آپ نے اپنا فلسفۂ خود شناسی اس مفروضے پر قائم کیا ہے کہ چونکہ سارے ممکنات خدا کی ہمہ بین نگاہ کے اعتبار سے بلا تقدیم و تاخیر ہمیشہ بیک وقت موجود ہیں، یعنی احاطۂ قدرت میں تمام اشیاء ہستی کی حالت میں ہیں اور کوئی چیز اس کی قدرت سے محروم ہو کر نیستی کی حالت یا عدمِ محض میں نہیں، کیونکہ کوئی ممکن اگر عدم محض میں ہوتا تو باری سبحانہ و تعالی کی قدرت نارسا اور ناتمام ہوتی، لیکن خدا کا امر ایسا ہے کہ جس میں کوئی تاخیر نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا امر بحال لازمان واقع ہو چکا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فکرِ ہونزائی کی رو سے کوئی بھی چیز معدوم ہو ہی نہیں سکتی اور جو چیز ممکن ہے وہ اب بھی اس کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہے اور جو چیز قانونِ قدرت میں وجود نہیں رکھتی وہ کبھی وجود میں آ ہی نہیں سکتی۔

علامہ ہونزائی اس مقدمہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا فلسفۂ خود شناسی تشکیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "علمِ ممکنات انسان کی نفسِ ناطقہ میں کس طرح پوشیدہ ہے، مؤمنین اپنی ذات کی معرفت کے عنوان سے اپنی روح میں اس علم کو تلاش کرے اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ ناممکن ہے وہ محال ہے اور اس کے وجود میں آنے کی کوئی امکانیت نہیں بالفاظِ دیگر جو چیز اس کائنات میں ظاہر اور باطن کی کسی بھی حالت میں ابھی تک پیدا نہ ہوئی ہو وہ چیز آئندہ زمانے میں بھی کہیں پیدا نہ ہو گی اور جو چیز ممکن ہو، وہ اس وقت بھی اس عالم کے ان بے شمار ستاروں میں سے کسی ستارے پر موجود ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر ممکن شئ موجود ہے اور ناممکن محال، مؤمن کو چاہیے کہ اس علم کو اپنی ذات کی معرفت میں ڈھونڈے۔ پس یہ جاننا چاہیے کہ انسان اپنے جسم، روح اور عقل کی مجموعی حیثیت سے عالمِ صغیر ہے، جو بظاہر اس عالم میں داخل ہے، لیکن جب مومن روحانیت کے کمال تک پہنچ جائے اور عین الیقین سے دیکھے تو اسے یہ معلوم ہو گا کہ عالمِ کبیر یعنی ساری کائنات اور اس میں بسنے والے اس کے نفسِ ناطقہ میں سموئے ہوئے ہیں اور ممکنات کی ساری مثالیں، نمونے اور شکلیں اسی کی ذات میں جمع ہیں۔" [32]

یہاں پر علامہ ہونزائی کا وجود اور عدمِ وجود کے اعتبار سے یہ دعوی کرنا کہ جو چیز ممکن ہے وہ موجود ہے اور جو ناممکن ہے وہ محال ہے، اس وجہ سے محلِ نظر ہے کیونکہ وجود یعنی جو کچھ عالم میں اور اپنے آپ میں مشہود (Perceive) ہوتا ہے، عقلاء کے نزدیک وہ سب کا سب مرتبۂ امکان (Possibilities) میں داخل ہے۔ چنانچہ ہم جو کچھ اپنے آپ میں دیکھتے ہیں یا اپنے ارد گرد کی دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں، وہ سب کا سب ممکن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ممکن کا تعلق وجود و شہود کے ان تین احکامات میں سے ہے جو عقلی طور پر فلاسفہ نے دریافت کئے ہیں۔ اور وہ تین احکامات وجود، عدم اور امکان سے عبارت ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہر ممکن کو بالفعل موجود قرار دینا محل نظر ہے، بلکہ ممکن کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ وجود اور عدم کے درمیان ہوتا ہے، چنانچہ جس طرح اس کا وجود محال نہیں، اسی طرح اس کا عدم بھی محال نہیں۔

علامہ ہونزائی کے نزدیک جب کوئی شخص خود شناس بن جائے تو وہ یقین کی آنکھ سے عالمِ کبیر کے جملہ ممکنات کو عالمِ صغیر (اپنی روح) میں دیکھے گا اور امام حق کی تجلیات اور نورانی ظہورات کا نظارہ اپنے دل کی آنکھ سے کرے گا اور وہ اللہ کی معرفت حاصل کر سکے گا۔

ہونزائی عرفان میں خود شناسی کو رب شناسی کا اہم وسیلہ قرار دیا گیا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ہونزائی ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "جس نے اپنے آپ کو پہچانا یقیناً اس نے اپنے پروردگار کو پہچانا، اس مبارک فرمان سے جس نوعیت کا سوال پیدا ہوتا ہے، وہ ظاہر ہے کہ انسان کی اپنی روح کی شناخت سے پروردگار کی شناخت اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ روح پروردگار کی مثال پر ہو، یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل ہے جو نظریہ یک حقیقت (Mono-realism) کی روشنی میں حل ہو سکتا ہے، مگر اس میں فوری وضاحت یہ ہے کہ روح آئینہ جمال وجلال خداوندی ہے، جب روح کا یہ آئینہ مکمل طور پر صاف وشفاف ہو جاتا ہے تو اس میں رب العزت کی صفاتِ عالیہ کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے تا آنکہ ضروری معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔" [33]

ہونزائی عرفان اور وحدت الوجود

وحدت الوجود ایک فلسفیانہ عقیدہ ہے جس کی رو سے جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے وہ خالق حقیقی کی ہی مختلف شکلیں ہیں اور خالق حقیقی کے وجود کا ایک حصہ ہے۔ اکثر مسلم علماء اس عقیدے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ اس عقیدے کی ابتدا مسلم صوفیاء کے ہاں سے ہوئی اس لئے اسے اسلام سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔

مولانا اقبال کیلانی وحدت الوجود کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان عبادت وریاضت کے ذریعے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اسے کائنات کی ہر چیز میں اللہ نظر آنے لگتا ہے یا وہ ہر چیز کو اللہ کی ذات کا جزء سمجھنے لگتا ہے، اس عقیدے کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے۔ عبادت اور ریاضت میں ترقی کرنے کے بعد انسان اللہ کی ہستی میں مدغم ہو جاتا ہے، اور وہ دونوں (خدا اور انسان) ایک ہو جاتے ہیں، اس عقیدے کو "وحدت الشہود" یا فنافی اللہ کہا جاتا ہے۔" [34]

ہونزائی افکار وتعلیمات میں وحدت الوجود کی جابجا مثالیں ملتی ہیں، چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> "جب کسی خوش نصیب اور کامیاب مؤمن کو خدا، رسول اور امامِ وقت کی حقیقی فرمانبرداری کے نتیجے میں روحانیت کا سب سے بڑا دیدار حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ شہنشاہِ دیدار کون ہوتا ہے؟ خدا؟ رسول؟ امام؟ فرشتہ عظیم؟ اپنی روح؟ انائے علوی؟ کتابِ ناطق؟ ازل یا دہر؟ ایک یا سب؟ ابداع یا انبعاث؟ اول یا آخر؟ بتایئے وہ کون ہے جو دیدار دے رہا ہے؟ اللہ! وہ سب کچھ ہے اور صوفیوں کی زبان میں ہمہ اوست اسی کو کہتے ہیں، چہرہ خدا کی روشنی یہی ہے، جس سے تمام حقیقتیں یکجا نظر آتی ہیں بلکہ سب کی ایک ہی حقیقت ہو جاتی ہے، جو حقیقتِ حقائق کے نام سے ہے اور یک حقیقت بھی یہی ہے۔" [35]

درج بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ ہونزائی وحدت الوجود کے عقیدے کا برملا داعی ہیں بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ وحدت الوجود سے آگے بڑھ کر عقیدۂ حلول کے بھی قائل ہیں، کیونکہ رسول، امام اور ناطق وغیرہ کی دیدار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات ان میں حلول کر گئ ہے ورنہ اس دیدار کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔

علامہ ہونزائی محض نظریہ کی حد تک وحدت الوجود کا قائل نہیں بلکہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں جگہ جگہ اس کی تطبیق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ذیل میں ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

اپنی کتاب "حقائقِ عالیہ" میں لکھتے ہیں:

> "اگر یہاں یہ کہا جائے کہ سب انسان مقامِ ازل پر ایک ہی نورانی شخص کی صورت میں چہرۂ اصل سے واصل تھے، پھر اس چہرے کی بے شمار تصویریں بنا کر اس دنیا میں لائی گئیں تو یہ بات ایک روشن حقیقت ہوگی، تاہم اس کے ساتھ یہ جاننا ہے کہ عکاسی اور تصویر کشی سے اصل (Original) میں کوئی کمی واقع نہیں ہوسکتی ہے، لہذا لوگ مرتبہ ازل میں اب بھی ویسے متحد اور شخص واحد ہیں، جیسے دنیا میں آنے سے پہلے تھے۔"[36]

علامہ ہونزائی کے ہاں وحدت الوجود کا مسئلہ دراصل روحانیت سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک کا سب میں ہونا اور سب کا ایک ہو جانا عالمِ روحانیت میں ممکن ہے، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> "اگر دو شخص عالمِ وحدت میں داخل ہوتے ہیں تو وہ قانونِ وحدت کی وجہ سے ایک ہو جاتے ہیں، پس بہشت ایک بھی ہے، دو بھی ہیں، چار بھی ہیں، اور آٹھ بھی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جنت پھیلی ہوئی بھی ہے اور مرکوز و مجموع بھی۔"[37]

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ علامہ ہونزائی کے وحدت الوجود کا فلسفہ عام صوفیاء سے زیادہ وسیع مفہوم کا حامل فلسفہ ہے، چنانچہ علامہ ہونزائی وحدت الوجود کا نظریہ اللہ کے علاوہ انبیاء اور ائمہ کے حوالے سے بھی ثابت کرتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ پر لکھتے ہیں:

> "اب فرض کر لو کہ ایک مؤمن جنت میں ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا حشر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو تاکہ وہ حضور کی معراج کے انتہائی عظیم اسرار کا مشاہدہ کرسکے تو یقیناً اس مؤمن کو یہ بہت بڑی نعمت ملی گی، کیونکہ "ہر ایک میں سب" کے قانون کے مطابق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں سب لوگ موجود تھے۔"[38]

علامہ ہونزائی وحدت الوجود کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس کے بھرپور داعیوں میں سے ہیں، چنانچہ کبھی کبھی وہ توحید والی آیات کا وحدت الوجود کے عقیدے کی روشنی میں تفسیر کرتے نظر آتے ہیں، جیسا کہ سورہ اخلاص کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ۔ (اے محمد) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ (وحدت الوجود) ایک ہے اَللّٰهُ الصَّمَدُ: اللہ بے نیاز ہے، یعنی وحدت الوجود اپنی صفات کے صوری و معنوی ظہورات میں سب کچھ ہے، لَمْ يَلِدْ: اس کی کوئی اولاد نہیں، اس لئے کہ وحدت الوجود خود ہی ایک ابدی اور ہمہ رس حقیقت ہے، پس اسے اولاد کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ اولاد کی ضرورت ایک ایسے موجود کو ہوسکتی ہے جو فانی ہو اور ہمہ رس نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ وحدت الوجود سے کوئی اور اس طرح کی وحدت پیدا نہیں ہوئی، وَلَمْ يُولَدْ: اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے کیونکہ فی الحقیقت یہ وحدت خود ہی ازلی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ سے رہے گی، وَلَمْ يَكُن

لَّهُ كُفُوًاأَحَدٌ: اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے کیونکہ یہ وحدت اپنی ضروری صفات گوناگون ظہورات اور رنگ برنگ تجلیات کے ساتھ اپنے اندر جیسا کہ چاہیے انتہائی تمامیت و کمالیت رکھتی ہے۔"[39]

اسی طرح سورۃ الفتح کی درج ذیل آیت کی وحدت الوجود کے فلسفہ کی روشنی میں تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا"[40] (۱۱۰۔ ۲) اور جب آپ تمام لوگوں کو جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھیں۔ ناس سے ارواحِ خلائق مراد ہیں اور دینِ خدا رسولِ اکرم کی ذاتِ اقدس ہے ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کے سب لوگ غیر شعوری طور پر بصورتِ ذرات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہستی میں داخل ہو گئے تھے اور اسی کو کہتے ہیں: "ایک میں سب اور سب میں ایک۔"[41]

اسی طرح اپنی کتاب "معراجِ روح" میں وحدت الوجود کا عقلی اثبات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس مقام پر ایک ایسی وحدت کا ذکر کرنا فائدے سے خالی نہ ہو گا جو اصل میں وحدت ہی ہے مگر ظاہر میں کثرت سمجھی جاتی ہے، اس لئے اس کو وحدتِ کثرت نما کہنا چاہیے، جس کی مثال سورج اور اس کی لاتعداد عکس ہیں، کہ ان تمام عکسوں کی حقیقی وحدت سورج میں ہمیشہ سے موجود ہے اور سورج کی مجازی کثرت ان ساری صاف وشفاف چیزوں میں ہے جس میں سورج کا عکس نظر آتا ہے، جیسے آئینہ صاف اور پانی وغیرہ۔"[42]

فلسفہ یونان اور عرفانِ ہونزائی

ہونزائی صاحب کے عارفانہ افکار میں فلسفۂ مثل وممثول کی مثالیں جابجا پائی جاتی ہیں، جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"اس مزرعۂ عمل یعنی کاشتگاہِ آخرت میں قرآن عظیم اور امام آلِ محمد علمی و عرفانی بہشت ہیں، لہذا اس مثالی جنت میں بھی کوئی گل صد رنگ موجود ہو سکتا ہے۔۔۔ میرا عقیدہ ہے کہ پھول زبانِ حال سے بہت کچھ کہہ رہے ہیں، وہ حمد (عقلِ کل) کے توسط سے بہشت کی رعنائی، زیبائی اور حسن وجمال پر اللہ جل شانہ کی تسبیح کرتے ہیں"۔[43]

ہونزائی عرفان اور دورِ حاضر

علامہ ہونزائی کے نزدیک دورِ حاضر روحانی سائنس کا دور ہے، جس میں انسان کو جس طرح مادی ترقی حاصل ہوئی ہے، اسی طرح ان کو روحانی ترقی بھی حاصل ہونے والی ہے، جس کی مدد سے انسان اشیاء کی حقائق تک رسائی حاصل کرلے گا اور اس کے چشمِ بصیرت کے سامنے کائنات کی تمام بھیدیں اور اسرار منکشف ہوں گے۔

علامہ ہونزائی اپنے اس نظریہ کی بنیاد قرآنِ پاک کی اس آیتِ کریمہ پر رکھتے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

"سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ"[44]

(ترجمہ): عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاقِ عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں۔

علامہ ہونزائی کے ہاں اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالی نے اپنی جن نشانیوں کو آفاق و انفس میں مشاہدہ کرانے کا وعدہ فرما چکے ہیں وہ آج مادی سائنس اور اس کے ایجادات کی شکل میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہیں اور قدرت خدا کی یہی نشانیاں آج روحانی سائنس کی شکل میں عالمِ شخصی میں اپنا انتہائی حیرت انگیز کام کر رہی ہیں، اپنے اسی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"اگر قادرِ مطلق کی ظاہری و مادی نشانیوں کو سائنس کا نام دیا جا سکتا ہے تو یقیناً اس کی باطنی و روحانی نشانیوں کو روحانی سائنس کہا جا سکتا ہے، کیونکہ آفاق و انفس اور اس میں ظہور پذیر ہونے والی آیات سب کے سب خدا ہی کی ہیں تاہم ان آیات اور اس سائنس کی بہت بڑی اہمیت و فضیلت ہو گی جس کے حیران کن معجزات عالمِ شخصی میں رونما ہونے والے ہیں کیونکہ انسان کا مرتبہ تمام کائنات و موجودات میں ارفع و اعلی ہے۔" [45]

علامہ ہونزائی کے نزدیک آج اسی دورِ عرفان یا روحانی انقلاب کا آغاز ہو چکا ہے اور اس کے نتیجے میں حقیقی معنوں میں انسان کائنات کے حقائق و رموز پر مطلع ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں عالمِ انسانیت کی مادی، اخلاقی اور روحانی ترقی ہو گی اور انسان کے تمام مسائل حل ہوں گے جیسا کہ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

"اگر آج مجھ جیسا ایک ناچیز عام آدمی روحانی سائنس کے بھیدوں سے بحث کر رہا ہو تو ضروری طور پر آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اب وہ بابرکت زمانہ آ رہا ہے جس میں مذکورہ بالا قرآنی پیش گوئی کے مطابق خاص روحانی سائنس عوام کی خاطر عام ہونے والی ہے، تاکہ حقیقی معنوں میں عالم انسانیت کی مادی، اخلاقی اور روحانی ترقی ہو سکے۔" [46]

روحانی سائنس اور یو۔ ایف۔ اوز (Unidentified Flying Objects)

یہ انتہائی دلچسپ بات ہے کہ علامہ ہونزائی نہ صرف روحانی سائنس کا نظریہ پیش کرتے ہیں بلکہ جگہ جگہ مثالوں کے ذریعے اس کی تطبیق بھی کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ ایک مقام پر یو۔ ایف۔ اوز کو روحانی سائنسی انقلاب کی ایک نشانی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب ایک بہت بڑا عالمی مسئلہ سامنے ہے اور وہ ہے: یو۔ ایف۔ اوز سے متعلق سوال کہ وہ در حقیقت کیا چیزیں ہیں؟ یہ سوال جتنا مشکل اور جیسا ضروری ہے، اس کا جواب اتنا مفید اور دلچسپ بھی ہے، وہ یہ ہے کہ یو۔ ایف۔ او اس ترقی یافتہ انسان کا عارضی نام ہے جو کسی سیارے سے آتا ہے یا اس دنیا میں رہتا ہے، کیونکہ انسان ہی کثیف سے لطیف ہو کر پرواز کر سکتا ہے اور انسان ہی سے جن و پری ہو جاتا ہے، اس لطیف مخلوق پر خدا ہم کو آزما رہا ہے نیز اس کے ظہور سے یہ اشارہ بھی مل رہا ہے کہ روحانی سائنس کا زمانہ آ چکا ہے اور یو۔ ایف۔ او وہ انسان ہے جو وقت آنے پر فرشتہ ہو چکا ہے اور بحکمِ خدا اپنے ظہور سے یہ سگنل دے رہا ہے کہ دیکھو زمانہ بدل گیا اور روحانیت کا دور آ گیا۔" [47]

گویا علامہ ہونزائی کے ہاں اڑن طشتریاں دوسرے سیاروں میں موجود وہ انسان ہیں جو روحانی ترقی کر کے فرشتے بن چکے ہیں۔

علامہ ہونزائی یہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ قرآن اللہ تبارک وتعالی کی آخری کتاب ہے اور اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے اور سائنسی علوم اس سے خارج نہیں، لہذا یو۔ ایف۔ اوز کا ذکر بھی قرآن میں سرابیل کے نام سے آیا ہے، اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے "گلشنِ بہشت" میں لکھتے ہیں:

> "یہ ہمارا ایمان اور پختہ یقین ہے کہ قرآنِ حکیم میں ہر ایک چیز کا بیان فرمایا گیا ہے اور کوئی شک ہی نہیں کہ اللہ تبارک وتعالی کی اس آخری کتاب میں واضح طور پر اڑن طشتریوں کا تذکرہ بھی ہے، جن کا قرآنی نام سرابیل ہے یعنی معجزاتی کرتے جو ہر قسم کی گرمی اور تمام جنگوں میں اہلِ ایمان کی حفاظت کی خاطر پیدا کئے گئے ہیں۔"[48]

علامہ ہونزائی اپنے اس نظریہ پر قرآن پاک کی ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں جو سورہ زمر میں وارد ہوئی ہے، ارشادِ باری ہے:

> "وَاَشْرَقَتِالْاَرْضُبِنُوْرِرَبِّهَاوَوُضِعَالْكِتٰبُوَجِايْٓءَبِالنَّبِيّٖنَوَالشُّهَدَاۗءِوَقُضِيَبَيْنَهُمْبِالْحَقِّوَهُمْلَايُظْلَمُوْنَ"[49] .

> (ترجمہ): اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی، نامۂ اعمال حاضر کئے جائیں گے، نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان حق حق فیصلے کردیئے جائیں گے اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے۔

چنانچہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ہونزائی لکھتے ہیں:

> "یہ قیامت القیامات کا ذکر ہے، جس میں روحانی سائنس یعنی ربانی علم وحکمت سے زمین منور ہوجانے والی ہے اور یہاں زمین سے باشندگانِ زمین مراد ہیں، پس جب وعدۂ الٰہی آفاق کے بعد انفس (عوالمِ شخصی) میں بھی آیاتِ قدرت کا ظہور ہوگا اور اسی مجموعۂ معجزات کا نام روحانی سائنس ہے، جس کی مدد سے لوگ ایسے عجیب وغریب روحانی قوتوں کو استعمال کرسکیں گے جو مادی سائنس سے تیار کردہ آلہ جات کی مثال پر ہیں لیکن ان سے بدرجہا برتر اور بہتر ہیں، ایسی زبردست روحانی ترقی کے دور میں یہ امر ممکن ہے کہ ظاہری آلہ جات رفتہ رفتہ ختم ہوتے چلے جائیں، لہذا اڑن طشتریاں اگر رام ہوجاتی ہیں تو پھر ہوائی جہاز کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔"[50]

اپنی ایک کتاب "سو سوال" میں یو۔ ایف۔ اوز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "کوئی ستارہ مخلوقات سے خالی نہیں، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ فلائنگ ساسرز آتی رہتی ہیں، مگر لوگ پہچان نہیں سکتے ہیں کہ کیا مخلوقات ہیں، سو جاننا چاہیے کہ وہ آسٹرل باڈی والے انسان ہیں جو کسی ستارے پر یا بہت سے ستاروں پر رہتے ہیں اور وہاں ان کی مذہبی اور سائنسی ترقی بہت آگے بڑھ چکی ہے، یہاں تک کہ وہ جسمِ لطیف کے ذرات کو طرح طرح کی شکلوں میں جوڑ کر ہر چیز کو پیش کرسکتے ہیں، وہ ظاہر بھی ہوسکتے ہیں اور غائب بھی۔ یو۔ ایف۔ اوز روحانی دور کے آغاز ہوجانے کی نشانیاں ہیں۔"[51]

اسی طرح اسی روحانی سائنس کے نظریہ پر سورہ نمل کے درج ذیل آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:

> "وَقُلِ الْحَمْدُلِلّٰهِسَيُرِيْكُمْاٰيٰتِهٖفَتَعْرِفُوْنَهَاوَمَارَبُّكَبِغَافِلٍعَمَّاتَعْمَلُوْنَ".[52]

(ترجمہ): کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں، وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم (خود) پہچان لوگے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اس سے آپ کا رب غافل نہیں۔

چنانچہ اس آیتِ کریمہ سے درج بالا نظریہ پر استدلال کرتے ہوئے علامہ ہونزائی کہتے ہیں:

"قرآنِ عظیم کا یہ حکمت آگین خطاب بتوسطِ حضرت خاتم الانبیاءِ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے فرمایا گیا ہے جس میں ظاہری اور باطنی سائنس کی شکل میں معجزاتِ قدرت کے ظہور، مشاہدہ اور معرفت کی پیش گوئی کی گئی ہے، یہ عظیم آیات و معجزات کا ذکرِ جمیل ہے، جس کا مشاہدہ عین الیقین اور حق الیقین سے مؤمنِ سالک کو اپنی ذات اور حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔"[53]

گویا ہونزائی عرفان کی رو سے دور جدید روحانی انقلاب کا دور ہے جس میں بہت سارے عجیب و غریب روحانی مشاہدات سامنے آئیں گے اور انسان کی اتنی روحانی ترقی ہو گی کہ اس کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے اور انسان روحانی ترقی کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلے گا اور اپنے عالمِ شخصی میں دوسرے سیاروں کی سیر و تفریح کر سکے گا اور انسان کے سامنے کائنات کے سارے سربستہ راز کھل جائیں گے۔

خلاصہ بحث

1. علامہ ہونزائی معرفت کے دو شعبوں طریقت اور حقیقت کے ساتھ معرفت کا اضافہ کرتے ہیں، جو بتدریج مناجات و مجاہدات کے ذریعے سابقہ تین شعبوں سے گزر کر حاصل ہوتا ہے۔

2. علامہ ہونزائی معرفت کے منازل تک پہنچنے کے لئے نفسی کشی کو ایک لازمی شرط قرار دیتے ہیں، چنانچہ آپ کے نزدیک عارف یا سالک کئی دفعہ نفسانی یا روحانی موت سے دوچار ہوتا ہے۔

3. معرفت حق کے حصول کے لئے ہونزائی عرفان میں ذکر و فکر کو ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے، علامہ ہونزائی اپنی تحریروں میں نہ صرف ذکر لسانی کو اہمیت دیتے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ ذکر قلبی پر بھی زور دیتے ہیں اسی طرح علامہ ہونزائی موسیقی کے دھن میں ذکر کے عمل کو نہ صرف جائز قرار دیتے ہیں بلکہ اس کو کئی لحاظ سے عام ذکر سے زیادہ مفید قرار دیتے ہیں۔

4. علامہ ہونزائی کے نزدیک خود شناسی اصل معرفت ہے اور آپ نے اپنا فلسفۂ خود شناسی اس مفروضے پر قائم کیا ہے کہ سارے ممکنات خدا کی ہمہ بین نگاہ کے اعتبار سے بلا تقدیم و تاخیر ہمیشہ بیک وقت موجود ہیں، اسی طرح گویا علامہ ہونزائی وحدت الوجود کے قائل ہیں۔

5. نیز علامہ ہونزائی محض نظریہ کی حد تک وحدت الوجود کا قائل نہیں بلکہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں جگہ جگہ اس کی تطبیق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

6. علامہ ہونزائی کے مطابق دورِ حاضر روحانی سائنس کا دور ہے، جس میں انسان کو جس طرح مادی ترقی حاصل ہوئی ہے، اسی طرح اس کو روحانی ترقی بھی حاصل ہونے والی ہے، جس کی مدد سے انسان اشیاء کی حقائق تک رسائی حاصل کرلے گا اور اس کے چشمِ بصیرت کے سامنے کائنات کی تمام بھیدیں اور اسرار منکشف ہوں گے۔

حواشی و حوالہ جات

[1]. رازي، مختار الصحاح، مادة ـعرفص: 226

[2]. اليزدي، محمد تقي الدين، الأيديولوجية المقارنة، ص: 21، دار المحجة البيضاء، بيروت، 1992

[3]. الحيدري، سيد كمال، العرفان الشيعي، ص: 9، مؤسسة الإمام جواد للفكر والثقافة، تهران، 1429هـ

[4].ابراهيم مصطفى ورفاقه، المعجم الوسيط، ج1، ص: 529، دار الدعوة، القاهرة

[5]. السراج، محمد جعفر بن حسين، مصارع العشاق، ص: 13، منشورات محمد علي بيضوت، بيروت، لبنان، 1998

[6]. السلمي، أبو عبد الرحمن بن الحسين، طبقات الصوفية،ج1، ص: 126، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان،2003

[7]. ہونزائی، نصیر الدین، حقیقی دیدار، ص: 1، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1976ء

[8]. ہونزائی، نصیر الدین، سو سوال، ص: 76، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1978ء

[9].ہونزائی، نصیر الدین، عملی تصوف اور روحانی سائنس، ص: 131، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1998ء

[10].ہونزائی، نصیر الدین، کتاب العلاج (روحانی علاج) ص: 109، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1988ء

[11]. ہونزائی، نصیر الدین، اسماعیلی اصطلاحات، ص: 20، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 2003ء

[12]. ہونزائی، نصیر الدین، قرآن اور روحانیت، ص: 10، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1978ء

[13]. ہونزائی، نصیر الدین، ہونزائی، نصیر الدین، جماعت خانہ، ص: 11، دانشگاہ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1994

[14]. ہونزائی، نصیر الدین، چہل حکمت شکر گزاری، ص: 7، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1993ء

[15]. ہونزائی، نصیر الدین، گلدستہ ای از مولوی گلزار معنوی، ص: 11، دانشگاہ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 2004ء

[16].ایضا، ص: 12

[17]. ہونزائی، نصیر الدین، دیوانِ نصیری (اردو) ص: 57، دانشگاہ خانۂ حکمت، کراچی، پاکستان، 2005ء

[18]. ہونزائی، نصیر الدین، علمی خزانہ، ص: 217، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1977ء

[19]. ہونزائی، نصیر الدین، مطالعۂ روحانیت، ص: 66، دانشگاہ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1980ء

[20]. ہونزائی، نصیر الدین، چہلِ کلید، ص: 25، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1993ء

[21]. ہونزائی، نصیر الدین، عملی تصوف اور روحانی سائنس، ص: 76، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1998ء

[22]. ہونزائی، نصیر الدین، حظیرۃ القدس: عالمِ شخصی کی بہشت، ص: 2، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1999ء

[23]. ایضا، ص: 20

[24]. ایضا، ص: 21

[25].ایضا، ص: 26

[26].ہونزائی، نصیر الدین، قرآن حکیم اور عالم انسانیت، ص: 34، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 2003ء

[27]. ہونزائی، نصیر الدین، درختِ طوبی، ص: 22، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1966ء

[28]. ہونزائی، نصیر الدین، دیوانِ نصیری، ص: 84، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 2005ء

[29].البقرة: 200

[30]. ہونزائی، نصیر الدین، ذکرِ الٰہی، ص: 52، دانشگاہ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1976ء

[31]. ہونزائی، نصیر الدین، زبور عاشقین، ص: 59، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1994ء

[32]. ہونزائی، نصیر الدین، درختِ طوبی، ص: 34-35، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1966ء

33. ہونزائی، نصیر الدین، رموزِ روحانی، ص: 44، دانشگاہ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1977ء
34. ہونزائی، نصیر الدین، کیلانی، اقبال، کتاب التوحید، ص: 70، حدیث پبلیکیشنز شیش محل روڈ، لاہور، 1995ء
35. ہونزائی، نصیر الدین، حقائق عالیہ، ص: 59، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1988ء
36. ایضا، ص: 38
37. ہونزائی، نصیر الدین، تجرباتِ روحانی، ص: 45، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1999ء
38. ہونزائی، نصیر الدین، چہل حکمت شکر گزاری، ص: 5، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1993ء
39. ہونزائی، نصیر الدین، دعا مغز عبادت، ص: 112، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1975ء
40. الفتح: 2
41. ہونزائی، نصیر الدین، سوغاتِ دانش، ص: 130، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1984ء
42. ہونزائی، نصیر الدین، معراج روح، ص: 29، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1990ء
43. ہونزائی، نصیر الدین، کارنامہ زرین، ج2، ص: 77، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1995ء
44. فصلت: 53
45. ہونزائی، نصیر الدین، روحانی سائنس کے عجائب و غرائب، ص: 1، دانشگاہ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1995ء
46. ایضا، ص: 2
47. ایضا، ص: 3
48. ہونزائی، نصیر الدین، گلشنِ بہشت ص: 226، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1997ء
49. الزمر: 69
50. ہونزائی، نصیر الدین، روحانی سائنس کے عجائب و غرائب، ص: 10، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1997ء
51. ہونزائی، نصیر الدین، سو سوال، ص: 37، دانشگاہ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1978ء
52. النمل: 93
53. ہونزائی، نصیر الدین، روحانی سائنس کے عجائب و غرائب، ص: 11، دانشگاہِ خانہ حکمت، کراچی، پاکستان، 1997ء